میرے فلک کا چاند

ندا حسنین

بنا کر دوست میرے چارہ گر کو
میرے زخموں کو گہرا کر دیا ہے
محبت کی گواہی دے کے تم نے
مجھے سب میں اکیلا کر دیا ہے

کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا
تو بڑے پیار سے چاؤ سے بڑے مان کے ساتھ
اپنی نازک سی کلائی میں سجاتی مجھ کو!

وہ وصی شاہ کی مشہور زمانہ غزل میں کھوئی ہوئی تھی۔ شامیر اس کے برابر میں بیٹھا بظاہر نیوز دیکھنے میں مشغول تھا مگر اس کا دھیان لیہہ ہی کی طرف تھا۔

تو کسی سوچ میں ڈوبی جو گھماتی مجھ کو
میں تیرے ہاتھ کی خوش بو سے مہک سا جاتا

لیہہ نے نظروں کا زاویہ کتاب سے ہٹا کر شامیر کی جانب مرکوز کیا مگر شامیر کو خبروں میں گم دیکھ کر پھر سے نظم پڑھنے لگی۔

کچھ نہیں تو یہی بے نام سا بندھن ہوتا
کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا!

نظم ختم ہوگئی تھی۔ اس نے کتاب زور سے بند کی اور رخ موڑ کر ٹی وی پر نظریں جمائے نیوز سننے میں مشغول شامیر کو خفا خفا سی دیکھنے لگی۔

''ان مسلسل تیکھی نظروں کے وار کا مطلب جاناں!''
شامیر نے ٹی وی پر ہی نظریں گاڑھے گاڑھے بڑے پیار

سے پوچھا گو کہ اس سے بالکل غافل نہ تھا۔

"جانے کس نے افواہ پھیلائی ہے کہ فوجی بڑے رومانوی مزاج کے مالک ہوتے ہیں آج تک آپ نے ایک شعر تک تو کہا نہیں میرے لیے۔" وہ نظروں کا زاویہ واپس کتاب پر مرکوز کرتے ہوئے بول رہی تھی۔ شامیر نے ٹی وی بند کرتے ہوئے اپنی پیاری سی مگر خفا خفا سی بیگم کو دیکھا اور شرارت سے کہا۔

"ایک تو آج کل کی بیویاں بڑی ڈیمانڈنگ ہوگئی ہیں۔ فوجی کے روپ میں شاعر کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ میری جان میں فوجی ہوں کوئی شاعر تو نہیں ناں۔"

"آپ بس رہنے ہی دیں' انصر بھائی کو دیکھا...... کیسے اپنی بیگم کی محبت میں شاعر بنے پھرتے ہیں۔ جبکہ کیپٹن تو وہ بھی ہیں اور ایک آپ ہیں جو میرے لیے ایک شعر کہنا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔" وہ بگڑے تیور لیے بولی۔

"اف اتنا غصہ...... وہاں دشمن جسم پر وار کرتا ہے اور یہاں آپ میرے دل پر وار کیے جارہی ہیں۔ یہ تو انصاف نہیں یار۔" شامیر گمبھیر لہجے میں شکایتی انداز میں بولا تو لیبہ کی آنکھیں یکدم بھیگ گئیں۔

"میں صبح چلا جاؤں گا لیبہ......" وہ بولا تو اس کے لہجے میں صرف محبت اور چاہت کا رنگ ہی نہیں بلکہ دوری کا بھی دکھ جھلک رہا تھا اور لیبہ کے لیے مزید ضبط کرنا مشکل ہوگیا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے چھلک کر ایک تواتر کے ساتھ اس کے رخسار پر بہہ نکلے۔ سارا مسئلہ یہی تو تھا کہ اسے کل صبح اس سے دور چلے جانا تھا اور پھر جانے کب اس سے ملاقات ممکن ہوتی۔ وہ اس کے روبرو بیٹھا یوں اس سے باتیں کرتا' اسی اداس کیفیت میں تو وہ آج اس سے بات بے بات لڑی جارہی تھی۔

اور انجان تو شامیر بھی نہ تھا۔ وہ اس کی بیوی تھی' اس کی محبت تھی سو اسے جانتا بھی تھا اور اس کی کیفیت بھی سمجھتا تھا' مگر ان سب کے ساتھ ساتھ وہ اس ملک کا محافظ بھی تھا۔ وہ اکیلا ہی کتنی جانوں کا امین تھا۔ اپنے گھر سے دور ہونا اس کے فرائض کا تقاضا تھا مگر فی الحال جب تک وہ اپنی ہم سفر کے ساتھ تھا تب تک کچھ اور نہیں سوچ سکتا تھا سونرمی سے لیبہ کا ہاتھ تھام کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بے حد جذب سے کہنے لگا۔

"یہ پل انمول ہیں لیبہ کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ اس طرح رو کر میں تمہیں ان خوب صورت لمحوں کو ضائع نہیں کرنے دوں گا۔" شامیر کی مسکراتی آنکھیں لیبہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اپنے ہم سفر کے پیار اور ساتھ پر وہ بھی بھیگی آنکھوں سے مسکرا اٹھی۔

☾......☾......☾

اسے چلے جانا تھا سو وہ چلا گیا۔ پر اس کے جاتے ہی لیبہ کو یوں لگنے لگا جیسے اپنوں میں رہ کر بھی وہ اکیلی ہو۔

لیبہ' شامیر کی چچازاد تھی۔ تیمور خان لیبہ کے تایا ضرور تھے مگر اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتے تھے۔ شامیر اور لیبہ کی شادی کرنے کا فیصلہ نا صرف تیمور خان اور ان کی اہلیہ کا تھا بلکہ خود شامیر کی بھی یہی خواہش تھی۔ تیمور خان جب چھوٹے بھائی کے گھر لیبہ کا ہاتھ مانگنے گئے تو ظہور خان خوشی سے گلے لگ گئے۔ شامیر جیسا ہیرا لڑکا ان کی بیٹی کا نصیب بننے جارہا تھا' اس سے زیادہ خوشی اور فخر کی بات اور کیا ہوسکتی تھی ان کے لیے۔ سوچٹ منگنی' پٹ بیاہ والا حساب ہوا اور اب ان کی شادی کو چھ ماہ سے زائد ہوچکے تھے اور یہ دوسری دفعہ تھا جب شامیر گھر سے' اس سے دور ہوا تھا' اور اس دفعہ اس کی دوری لیبہ کو زیادہ محسوس ہورہی تھی بھرا پرا گھر تھا' سب اس کا خیال رکھ رہے تھے مگر پھر بھی اس کی کمی محسوس ہورہی تھی۔

"لیبہ' ہم باہر جارہے ہیں۔" وہ شامیر کے خیالوں میں گم صم سی بیٹھی تھی کہ فروا نے آکر اسے چونکایا۔

"کہاں جارہے ہیں ہم' کچھ بتاؤ تو؟" وہ فروا کی جانب متوجہ ہوئی جو جلدی جلدی برش کررہی تھی۔

"ایسے ہی آئس کریم کھانے' دیکھو ناں موسم بھی کتنا حسین ہورہا ہے۔" فروا نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ! حسین تو بے حد ہو رہا ہے......" موسم کو سراہتی وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کاش! وہ اس وقت ساتھ ہوتا۔" دل نے دھیرے سے سرگوشی کی اور وہ ہلکے سے مسکرا دی۔

"وہ ساتھ نہیں تو کیا ہوا' دل میں تو ہے۔" دل ہی دل میں جواب دے کر وہ بھی آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا عکس دیکھنے لگی۔

"اور جو دل میں رہتے ہیں' وہ ہر پل ساتھ رہتے ہیں۔" شامیر اچانک ہی اس کے عکس کے پیچھے سے نمودار ہو کر بولا تھا' وہ بھرپور انداز میں مسکرا اٹھی۔

❂ ❂ ❂

گھر سے گئے ہوئے کیپٹن شامیر کو دو دن ہو گئے تھے پر ابھی تک اس کی خیریت سے پہنچنے کی کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ بلاشبہ آرمی کے جوان اس وقت ملکی تاریخ کی سب سے مشکل اور پیچیدہ جنگ میں مصروف تھے۔ لیسہ کی نظروں سے تایا' تائی کی بے چینی چھپی نہ رہ سکی تھی۔ وہ بے شک اس کے سامنے ظاہر نہیں کر رہے تھے پر اب تک کوئی خیر خبر نہ آنے پر پریشان ضرور تھے۔ ایسا اکثر ہوتا' کبھی تو فوراً خبر آ جاتی اور کبھی کچھ وقت لگ جاتا اطلاع آنے میں اور اس دفعہ تو ویسے بھی وہ سب آگاہ تھے کہ وہ کتنے بڑے محاذ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ تبھی تائی امی اب زیادہ تر مصلے پر بیٹھی دعائیں مانگتی اور تایا ابو خبروں پہ نظریں جمائے نظر آتے۔ شاید جن ماؤں کے بیٹے ملک و قوم کے محافظ ہوتے بس ان کا زیادہ تر وقت اللہ کے حضور دعائیں مانگتے ہی گزرتا ہے۔ وہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔

یہ پانچواں دن تھا جب شامیر کی خیریت کی خبر آئی تھی۔ بات صرف تایا ابو سے ہوئی تھی اور بے حد مختصر۔ وہ خیریت سے تھا' ان سب کے لیے یہ خبر ہی باعث سکون تھی۔ وقت سست روی کے ساتھ گزر رہا تھا' یا شاید لیسہ کو ہی ایسا لگنے لگا تھا۔ زندگی ایک نکتے پر آ کر رک گئی تھی اور اب جب شامیر آئے گا تب ہی اس کی زندگی رواں ہوگی' وہ اب شامیر کی یادوں کے سہارے ہی جینے لگی تھی۔

❂ ❂ ❂

آپریشن ضرب عضب پاکستانی قوم کی للکار تھی۔ ان دہشت گردوں کے لیے جو پاک وطن کی بربادی کا سامان اکھٹا کرنے میں مصروف تھے۔ قوم کی پکار پر لبیک کہتی پاک آرمی' سر پر کفن لپیٹے دشمنوں کے ارادوں کو نیست و نابود کرنے کا عزم باندھ کر میدان جنگ میں اتر چکی تھی۔ کیپٹن شامیر کی بٹالین کے کمانڈوز نے وزیرستان کی دشوار گزار پہاڑیوں پر آن کی آن میں مورچہ بندی کر کے اپنی پوزیشن سنبھال لی تھیں۔ مشین گن نصب کی جا چکی تھیں۔ مورچہ بندی خاص طور پر ان باتوں کو مدنظر رکھ کر کی گئی تھی کہ دشمن کی آمد و رفت پر نظر رکھی جا سکے' اس کے علاوہ جیسے ہی انہیں حملہ کرنے کا آرڈر ملے وہ باآسانی دشمن کے ٹھکانوں کو ٹارگٹ کر سکیں۔ کیپٹن شامیر اپنے مورچے میں بیٹھ کر بائنوکیولر آنکھوں سے لگائے اپنے گرد و نواح کا جائزہ لے رہا تھا۔ تب ہی صوبیدار نیاز کی آواز عقب سے آئی۔

"سر......!" اس کے ہاتھ میں وائرلیس سیٹ تھا۔

کیپٹن شاہ میر نے اس کے ہاتھ سے فوراً وائرلیس لے لیا۔ وائرلیس پر بریگیڈیئر صاحب کی جانب سے اہم خبر موصول ہوئی تھی۔ خبر وصول کرتے ہی شامیر نے اپنے مخصوص انداز میں "یس سر" کہا اور اپنے کمانڈوز کو ہدایت دینے لگا۔ وہ منٹوں میں نئی حکمت عملی بنا چکا تھا۔ اب سے کچھ ہی دیر بعد یہاں سے دشمنوں کا اسلحے و بارود سے بھرا ہوا ٹرک گزرنے والا تھا اور انہیں ان ٹرکوں کو تباہ و برباد کر دینا تھا۔ وہ سب اپنی عقابی نظریں راستے پر گاڑھے دشمن کی آمد کے منتظر تھے۔ کچھ پل ہی سرکے ہوں گے کہ بہت دور سے سڑک پر دھول اڑتی محسوس ہوئی۔ کیپٹن شامیر اور اس کے کمانڈوز اپنی اپنی پوزیشن سنبھالے الرٹ ہو چکے تھے۔ ٹرک رفتہ رفتہ اب ان کے قریب آ رہے تھے۔

"جب تک میں فائر نہ کہوں' کوئی بھی گولی نہیں

چلائے گا۔" کیپٹن شامیر نے اپنے کمانڈوز کو ہدایت جاری کی۔ جب ٹرک ان سے کچھ ہی فاصلے پر رہ گیا تب کیپٹن شامیر کی دھاڑ سنائی دی۔

"فائر......!" اور اس حکم کے ملتے ہی کمانڈوز نے سامنے سے گزرنے والے دونوں ٹرکوں پر اپنے فائر کھول دیئے۔ وہ دونوں ٹرک آتشیں بارود سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک دھماکے سے ان کے پرخچے اڑ گئے اور شعلے فضاؤں میں بلند ہونے لگے۔ دشمن کا گولہ بارود واسلحے کا سامان جہاں برباد ہوا تھا وہیں اس ہولناک دھماکے سے دشمن یہ بھی جان چکا تھا کہ آرمی کے کمانڈوز ان کا قلع قمع کرنے آن پہنچے ہیں۔

کیپٹن شامیر کی قیادت میں کمانڈوز اب دشمن کی جانب سے اٹھائے جانے والے اقدام کے لیے تیار تھے۔ جس پہاڑی پر ان کے مورچے تھے اس سے کچھ ہی فاصلے پر کچے پکے مکانات بنے ہوئے تھے۔ ٹھوس اطلاع کے مطابق یہ کچے پکے مکانات ہی ان دہشت گردوں کا ٹھکانہ تھے۔ انہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ان مکانات کی چھتوں پر شامیر کو کچھ حرکت ہوتی محسوس ہوئی۔ اس نے فوراً بائینوکیولر آنکھوں سے لگا کر دیکھنا شروع کردیا۔ منظر اب واضح ہو چکا تھا۔ وہ اب اپنی چھتوں پر چڑھے دوربین آنکھوں سے لگائے اردگرد کا جائزہ لے رہے تھے اور شاید وہ ان کے مورچے دیکھ بھی چکے تھے۔ شامیر نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر ہیڈ کوارٹر میں اطلاع دے دی۔ اب صحیح معنوں میں حق وباطل کی جنگ شروع ہونے والی تھی۔ کچھ ہی پل گزرے ہوں گے جب فضاء میں پہاڑوں کے عقب سے گھن گرج کے ساتھ گن شپ بلیک کوبرا آسمان پر نمودار ہوا اور اپنی گن سے شعلے اگلتا ہوا ان مکانات پر برس پڑا۔ بلیک کوبرا اپنا غیض وغضب نکالتا رہا اور اس دوران کیپٹن شامیر اپنے کمانڈوز کے ساتھ مورچوں سے نکل کر دہشت گردوں کی جانب پیش قدمی کرنے لگے۔

دہشت گردوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا پہلے ایک زوردار دھماکے سے فضا گونج اٹھی اور پھر ان کی آن میں ان پر حملہ بھی ہو چکا۔ مزید کسر کیپٹن شامیر کے کمانڈوز نے ان پر زمینی حملہ کر کے نکال دیا۔ پاکستان آرمی نے دہشت گردوں کو ایک بھرپور سرپرائز دے ڈالا تھا۔

اگلے دو دن تک دہشت گردوں کی جانب سے سخت مزاحمت جاری رہی مگر آرمی کے قوت ایمانی سے بھرپور شیر دل جوانوں کے آگے مزاحمت دم توڑتی چلی گئی۔ شامیر بھی اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ اپنی پوزیشن سنبھالے دہشت گردوں کو جہنم واصل کرنے میں مشغول تھا جس جگہ وہ پوزیشن بنائے بیٹھا تھا اس سے ذرا فاصلے پر دھماکہ ہوا تھا جس کی زد میں آ کر ان کا ایک ساتھی شدید زخمی ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ ہمت نہیں ہارا تھا بلکہ مزید جوش وجذبے کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اپنے زخمی ساتھی کا حوصلہ دیکھ کر شامیر اور اس کے ساتھیوں کے انداز مزید جارحانہ ہو گئے تھے۔ مگر کب تک......ان کا زخمی ساتھی تکلیف کی شدت سے اب ہمت ہارنے لگا تھا جس مقام پر وہ کھڑا تھا اس طرف دہشت گردوں کی جانب سے دھواں دھار فائرنگ جاری تھی اس لیے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ اسے محفوظ مقام تک پہنچایا جائے۔

کیپٹن شامیر کی ہدایت پر ان کا دوسرا ساتھی اپنے زخمی ساتھی کو محفوظ مقام تک منتقل کر ہی رہا تھا کہ دہشت گردوں کی جانب سے اسی مقام پر ایک اور دھماکہ ہوا جس کی زد میں آ کر وہ دونوں جوان موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ اپنے دونوں ساتھیوں کو جام شہادت نوش کرتا دیکھ کر شامیر اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ اپنی جانوں کی پروانہ کرتے ہوئے اس بہادری سے لڑے کہ دہشت گرد پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اگلے دو دنوں میں دہشت گردوں سے یہ علاقہ خالی کروا لیا گیا تھا اس علاقے سے انہیں انتہائی اہم انکشافات اور ثبوت بھی ملے تھے جو انہوں نے ہیڈ کوارٹر پہنچا دیئے تھے۔ کیپٹن شامیر کی بٹالین نے اپنا یہ معرکہ بھی کامیابی سے سر کر لیا تھا۔

نیلا آسمان ستاروں کا جال پھیلائے سکون سے کھڑا تھا۔ علاقے سے دہشت گردوں کا صفایا کیا جاچکا تھا۔ وہ لوگ صورت حال کا جائزہ لے کر ابھی ابھی واپس لوٹے تھے۔ راؤنڈ سے واپسی پر کیمپ کے اندر داخل ہوتے ہوئے آج وہ تہیہ کرچکا تھا کہ آج ضرور وہ لیہہ کو خط لکھے گا۔ وہ اسے پچھلے کچھ دنوں سے بے انتہا یاد آرہی تھی۔ خط لکھنے بیٹھا تو سوچنے لگا کہ کیا لکھوں......؟

کیا بتاؤں اسے کہ یہاں دن کیسے گزر رہے ہیں یا یہاں کے حالات بتاؤں یا یہ بتاؤں کہ دشمنوں نے یہاں کیا تباہی مچارکھی ہے......؟ نہیں......نہیں اسے اس کی زندگی میں آئے ابھی مہینے ہی کتنے ہوئے ہیں؟ پہلی دفعہ وہ اس سے طویل عرصے کے لیے دور ہوا ہے اسے یہاں کے بھیانک حالات بتاؤں گا تو وہ کتنی پریشان ہوجائے گی...... پھر کیا کہوں اسے......؟

''اسے بتاؤ کہ تم کتنی محبت کرتے ہو؟ کتنا یاد کرتے ہو کتنے اداس ہو اس کے بغیر...... وہ کتنی اداس تھی تمہارے جانے پر کتنی خفا بھی کتنی شکایتیں تھیں اسے دور کردو تم وہ شکایتیں......'' دل نے چپکے سے کئی مشورے دے ڈالے اور وہ مسکراتا ہوا ان پر عمل کرنے لگا۔

لیفٹیننٹ جہانزیب جو کچھ دیر ستانے کی غرض سے بستر پر دراز ہوا تھا۔ اسے بڑی محبت سے خط لکھتا دیکھ کر مسکرا اٹھا اور شہادت والی انگلی سے آنکھوں کے کناروں سے چھلکتی شبنم کو نرمی سے صاف کرنے لگا۔ یاد کرنے کے لیے تو اس کے پاس بھی بہت کچھ تھا اس کی بچپن کی منگیتر جس سے اس کی شادی ہونے والی تھی اس شادی کو ملتوی کرکے ہی تو وہ اس آپریشن میں شامل ہوا تھا۔

شامیر خط لکھ چکا تھا اب اسے انتظار جنرل ہیڈ کوارٹر سے آنے والے ہیلی کاپٹر کا تھا جس کے ذریعے یہ خط اس کی منزل مقصود تک پہنچتا۔

☾......☾......☾

خاموش پرسکون سی رات تھی۔ گھر کے تمام افراد سوچکے تھے تب وہ ٹیرس پر آبیٹھی۔ تاروں کی جھرمٹ میں چپ چاپ سا چاند بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ اب وہ مٹھی میں دبائے خط کو بڑے احتیاط سے کھول کر پڑھنے لگی۔

''لیہہ جانتی ہو مجھے تو اب یاد بھی نہیں کہ تم سب سے جدا ہوئے مجھے کتنے دن ہوچکے ہیں ہم کیوں دور ہیں لیہہ اپنوں سے؟ کیا ہمارے جذبات نہیں کیا ہمارے احساسات نہیں تم جانتی ہو لیہہ یہاں موجود ہر جوان کے دل میں اس کے اپنے اس کے گھر والے بستے ہیں کبھی کبھی ان کی یاد آنکھوں میں آنسو بن کر جھلملاتی ہے کہ نہ جانے اب پھر ملنا نصیب بھی ہو یا نہیں؟ دل میں بسنے والے یہ چہرے پھر دیکھنے کو ملیں گے بھی کہ نہیں...... لیہہ ہم ہی آخر کیوں اتنا کچھ سہتے ہیں ہم ہی کیوں دور ہیں لیہہ ہم ہی کیوں قربانیاں دیتے ہیں......'' ٹپ ٹپ ٹپ آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے...... خط پہ گرتے جارہے تھے آگے کے الفاظ پڑھے نہیں جارہے تھے۔ اس کی آنکھیں دھندلا گئیں تھیں۔ اس کا شامیر اپنوں کو یاد کرکے ٹوٹ رہا تھا اس سے برداشت نہ ہوا وہ بے دردی سے آنسو صاف کرکے ایک بار پھر خط پڑھنے لگی۔

''لیہہ...... جانتی ہو کیوں؟ یہ ملک وجود میں ہی بڑی قربانیوں کے بعد آیا ہے ہمارے آباؤ اجداد نے بے غرض ہوکر قربانیاں دیں ہیں اس ملک کے لیے جو دشمنوں کو بڑا کھٹکتا ہے جب سے میرا ملک وجود میں آیا ہے۔ اسلام کے نام پر بنا ہے ناں لیہہ اس لیے بڑی تندہی سے اسے بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں جڑوں کو کھوکھلا کردینا چاہتے ہیں...... یہ بہت قیمتی ملک ہے لیہہ...... اور جو قیمتی ہوں ان کی حفاظت بھی اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر کی جاتی ہے۔ یہ ملک سب کچھ ہے ہمارے لیے اور ہم سب میں سے کچھ تو اس کے لیے جان قربان کرہی سکتے ہیں ناں کیا ہوا جو ہم اپنے اپنے احساسات و جذبات قربان کردیتے ہیں بدلے میں یہ بھی تو دیکھو پوری قوم کی حیات بن جاتے ہیں میں تم سے بے حد پیار کرتا ہوں لیہہ میرا سب کچھ تمہارا ہے مگر میرا خون میری زندگی میرے ملک و قوم کی امانت ہے تم ایک بہادر کیپٹن کی

بیوی ہو کبھی کمزور نہیں پڑنے دینا خود کو‘ تمہیں اپنے وجود کا حصہ مانتا ہوں‘ سوتم میری طرح مضبوط رہنا‘ کبھی ہارنا نہیں کہ قربانیاں عظیم لوگ ہی دیتے ہیں۔ اپنی محبت اور دعاؤں کے حصار میں رکھنا مجھے‘ گھر میں سب کا خیال رکھنا‘ خاص طور پر امی اور فروا کا‘ پاپا بہادر ہیں بہت وہ سنبھال لیں گے خود کو‘ اچھا اب اجازت دو اپنے شامیر کو...... بہت جلد پھر خط لکھوں گا۔“

خط ختم ہو چکا تھا‘ وہ ساکت سی بیٹھی رہی۔ وقت جیسے ٹھہر گیا تھا۔ چاند تارے سب ساکت ہو گئے تھے۔ اس کا شامیر ہمت نہیں ہارا تھا بلکہ اور مضبوط ہو گیا تھا۔ وہاں بیٹھ کر بھی وہ اس کے لیے فکر مند تھا۔ اس کی ہمت بندھا رہا تھا‘ اس پورے خط کا لب لباب ہی اس کے دل کو مضبوط کرنا تھا۔ اس پل اسے لگا ساری کائنات سو چکی اور فقط وہ جاگ رہی ہے اپنے رب سے باتیں کرنے کے لیے‘ دعائیں مانگنے کے لیے‘ اس کی آنکھیں اشک بار تھیں‘ لب ہلے تھے اور لفظوں میں صرف شامیر تھا اور سننے والی ذات اللہ کی تھی......!!

☾......☾......☾

راولپنڈی میں جنرل ہیڈ کوارٹر میں انتہائی اہم اجلاس جاری تھا۔ جس میں انتہائی اہم موصول ہونے والی اطلاعات پر غور وخوص کیے جانے کے بعد اس سے نمٹنے کی حکمت عملی ترتیب دی جارہی تھی۔ اس مشن میں پاک فضائیہ کے جنگی طیارے اور گن شپ ہیلی کاپٹر کا کردار زیادہ اہم تھا۔ فیصلہ ہو چکا تھا اور میدان جنگ میں لڑنے والے جاں بازوں تک پہنچایا بھی جا چکا تھا۔

کیپٹن شامیر کے وائرلیس سیٹ پر نئے احکامات موصول ہو چکے تھے اور اب ان کی کمک آگے بڑھنے کو تیار تھی۔ حکم ملتے ہی شامیر نے اپنے جوانوں کو بڑے جوش میں مخاطب کیا۔

”ساتھیو! اللہ کے کرم سے ہم اس علاقے اور زمین پر سرخرو ہوئے‘ آپ جانتے ہیں دشمن نے ہمیں کمزور سمجھ کر نقصان پہنچایا ہے مگر اب ان کے دن گنے جا چکے ہیں‘ ہم انہیں اچھی طرح سمجھا دیں گے کہ ہم کس ملک کے جوان ہیں‘ کس دین کے سپہ سالار ہیں‘ کس قوم کے بیٹے ہیں۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ جب تک جسم میں ایک سانس بھی باقی ہے تب تک ملک کی حفاظت کے لیے لڑیں گے۔ ساتھیو یہاں ہم اپنا علاقہ واپس لے چکے اب وقت آ گیا کہ ہم مزید آگے بڑھ کر دشمنوں کو منہ توڑ جواب دیں۔ اے اللہ‘ تو ہماری حفاظت فرما‘ ہمیں اپنے عزائم میں سرخرو فرما اور دشمنوں کے ناپاک ارادوں کو نیست و نابود کرنے میں ہماری مدد فرما‘ آمین۔“ شامیر کی رقت آمیز دعا کے بعد سب نے باآواز بلند آمین کہا۔

”نعرہ تکبیر“ کمانڈو امتیاز نے صدا بلند کی۔

”اللہ اکبر!“

”پاکستان“

”زندہ باد......!“

”پاک قوم“

”پائندہ باد!“ ساری فضا ان سب کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔ سر پر کفن باندھے جوان اپنے کپتان کی قیادت میں اب آگے کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔

انہیں خاص اطلاعات کی روشنی میں‘ رات کی تاریکی میں محاذ کھولنا تھا۔ وہ جس جگہ مورچے بنائے بیٹھے تھے‘ یہ جگہ آبادی سے کچھ فاصلے پر تھی۔ وہاں کے مقامی لوگ یہاں سے نقل مکانی کر چکے تھے۔ آبادی نہ ہونے کے برابر تھی اور اسی آبادی میں دہشت گردوں نے اپنی جائے پناہ بنا رکھی تھی‘ باہر سے ویران نظر آتے گھروں کے تہہ خانے اندر آباد تھے‘ کیپٹن شامیر نے اپنی کمک کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پہلے گروپ کو شامیر خود لیڈ کر رہا تھا‘ جبکہ دوسرے گروپ کو لیفٹیننٹ جہانزیب لیڈ کر رہے تھے۔ جبکہ تیسرے اور چوتھے گروپ کی نمائندگی سیکنڈ لیفٹیننٹ نثار اور کمانڈو امتیاز کر رہے تھے۔ چوتھے گروپ کو ممکنہ خطرات اور حملے کے پیش نظر ارد گرد کے گھروں کی

چھت پر تعینات کردیا گیا تھا' وہ ایک وسیع وعریض رقبے پر تعمیر عمارت تھی جس پر انہوں نے حملہ کرنا تھا۔
کچھ ہی دیر میں پوری عمارت کو کمانڈوز نے گھیرے میں لے لیا تھا۔ یہ سب کچھ اتنی راز داری سے ہوا کہ درختوں پہ اپنے گھونسلوں میں سوئے پرندوں کو بھی خبر نہ ہوسکی۔ کیپٹن شامیر احتیاط کے ساتھ دبے پاؤں اس عمارت کے دروازے کے سامنے کھڑا انگلی کے اشارے سے ایک دو تین کا اشارہ کررہا تھا۔ عمارتوں میں پوزیشن لیے تعینات کمانڈوز پوری طرح سے حملے کے لیے الرٹ تھے۔ ایک کا اشارہ کرتے ہی کیپٹن شامیر کے ساتھ کھڑے جوان نے بھرپور انداز میں دروازے کو لات رسید کی۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور سامنے ہی کوریڈور میں بیٹھا نیند کے خمار میں ڈوبا پکی عمر کا شخص اس اچانک افتاد پر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کافی تربیت یافتہ تھا جبھی سامنے کھڑی موت کو دیکھ کر خطا ہوئے اوسان کو بحال کرتا ان پر فائرنگ کھولنے لگا۔ مگر اس سے پہلے ہی کیپٹن شامیر کی گن نے شعلے اگل کر اس کو موت کی وادی میں اتار دیا۔ نقارہ جنگ بج چکا تھا۔ دہشت گرد اور آرمی کے جوان آمنے سامنے تھے۔ کیپٹن شامیر آندھی طوفان کی مانند اپنے کمانڈوز کے ہمراہ اس عمارت میں داخل ہوا تھا اور پھر دہشت گردوں کو پناہ لینے کی جگہ نہ ملی۔ اس وقت کیپٹن شامیر ہال کے دروازے کی اوٹ سے لیفٹیننٹ جہانزیب کے ہمراہ دہشت گردوں سے لڑنے میں مصروف تھا۔ یہ عمارت ایسی تھی کہ اس کے ہر چار دیواروں میں سے دو دیواروں میں بڑی بڑی کھڑکیاں نصب تھیں۔ کیپٹن شامیر بڑی دلیری سے دشمنوں کے سینے میں گولیاں اتار رہا تھا۔ تبھی مخالف سمت سے آتی گولیوں نے اس کے ساتھی کے جسم کو چھلنی کردیا۔ اپنے ساتھی کو زمین پر تڑپتا دیکھ کر شامیر اور اس کے دوسرے ساتھی کمانڈو کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ اور جارحانہ انداز میں آگے بڑھ کر دشمن پر وار کرنے لگے اور یہی وہ لمحہ تھا جب ان کے عقب سے ایک دہشت گرد ان کی پشت پر نشانہ باندھے بلی کی طرح دبے پاؤں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ گن سے گولی ان دونوں تو جوانوں کی پشت پر داغتا' باہر سے کھڑکی کے شیشوں کو چیرتی ہوئی ایک گولی اس کے بھیجے میں جا گھسی۔ اس کی گن اس کے ہاتھ سے چھوٹی اور وہ دھپ سے زمین پر جا گرا۔ سامنے والی عمارت میں تعینات اسنیپر نے اپنا کام ٹھیک وقت پر کر دکھایا تھا۔ شامیر اپنے ساتھی کمانڈوز کے ہمراہ اب ہال سے اندر جا کر دہشت گردوں کا صفایا کررہا تھا۔ انہیں جلد ہی تہ خانے تک پہنچنے کا راستہ مل گیا تھا۔ تہہ خانے میں اتر کر ایک سرنگ جاتی تھی جہاں مکمل اندھیرا تھا اور اس اندھیرے کو دور کرنے کے لیے ہر تھوڑے فاصلے پر ایک شمع روشن کی گئی تھی۔ یہ دہشت گردوں کا خفیہ راستہ تھا اور اس خفیہ راستے کے ذریعے ہی وہ حملے کی اطلاع ملتے ہی یہاں سے فرار ہوگئے تھے' ابھی کیونکہ انہیں خبر نہ مل سکی تھی اس لیے وہ تیر دل جوانوں کی گرفت میں آ گئے مگر پھر بھی ان کا لیڈر اپنی جان بچانے کی غرض سے اس سرنگ کے ذریعے فرار ہوگیا تھا۔ اس کے ساتھی اس کے بدلے اپنی جان گنوانے میں مصروف تھے۔ پر جلد بازی میں بھاگنے کی وجہ سے وہ کئی اہم ثبوت اس مکان میں چھوڑ گئے تھے جو کہ کیپٹن شامیر نے اپنی حفاظت میں لے لیے تھے۔ باہر موجود کمانڈو کو صورت حال وائرلیس پہ سمجھاتے ہوئے وہ اپنے شیر جوانوں کے ہمراہ اس سرنگ میں آگے بڑھ رہا تھا۔ سرنگ کا راستہ تنگ ضرور تھا مگر وطن کے پاسبانوں کی راہ روکنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔
وہ کچھ آگے بڑھے تھے کہ ان سے کچھ فاصلے پر دھماکہ ہوا تھا۔ دشمن ان پر چھپ چھپ کر وار کررہا تھا۔ وہ اس حملے میں محفوظ رہے تھے اور اب مزید احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اگلے ہی کچھ پلوں میں انہیں دہشت گردوں کی جانب سے شدید فائرنگ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے مزاحمت کررہے تھے۔ فائرنگ کا شدید تبادلہ دونوں جانب سے جاری تھا۔ جہاں دشمن ان کی گولیوں کا شکار ہورہا تھا' وہیں

پاک آرمی کے جوان بھی شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہونے لگے۔ خود شامیر کے دائیں بازو پر گولی لگی تھی۔ پر وہ زخموں کی پروا کیے بغیر جوانمردی سے لڑ رہا تھا۔ لڑائی شدت اختیار کرچکی تھی۔ لیفٹیننٹ جہانزیب شدید زخمی حالت کا شکار تھا۔ کمانڈو امتیاز نے اسے سہارا دے کر سرنگ کی دیوار کے سہارے بٹھا دیا تھا۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ مگر پھر بھی وہ لڑنے کو بے تاب تھا۔ شامیر نے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جہانزیب کے چہرے پہ ایک نگاہ ڈالی' اس کے چہرے پر کرب نمایاں تھا۔ آنکھوں میں شہادت کی چمک عیاں تھی۔ اسے جہانزیب کے کل کے کہے الفاظ یاد آ گئے جب راؤنڈ سے واپسی پر وہ مسکراتا ہوا اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔

''میری ماں میرے انتظار میں نظریں دروازے پر ٹکائے راہ تکتی رہتی ہے' کافی ضعیف ہے ناں سر' اب صبر نہیں ہوتا اس سے' کہتی ہے جب تو آئے گا تو تیری دلہن گھر لاؤں گی اور میری منگ دلہن بن کر میری زندگی میں قدم رکھنے کے لیے شدت سے میری منتظر ہے اور میں سوچتا ہوں نہ جانے پھر ان لوگوں کو دیکھ بھی پاؤں گا یا نہیں۔'' وہ اپنی بات کے اختتام پر بڑے دل گیر انداز میں مسکرایا تھا۔ شامیر اس کے جذبات سمجھتا ہوا اس کے حوصلے کے لیے پیٹ پر تھپکی دینے لگا۔ شامیر کی آنکھیں فرط جذبات سے دھندلا گئیں۔ وہ اتنے عرصے سے ساتھ تھے۔ ایک دوسرے کے جذبات اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ دین کی' وطن کی محبت سے سرشار تھا' پر گھر والوں کی یاد بھی آنکھوں سے شفاف قطرے کی صورت چھلکنے کو تیار تھی۔ شامیر بامشکل اس کے چہرے سے نظریں ہٹا سکا۔ اس پل اسے بھی اس کے گھر والے یاد آ گئے' نہ جانے وہ بھی ان سب سے مل پائے گا یا نہیں' صد شکر کہ اس نے آج گھر والوں کے لیے خط لکھا کر جی ایچ کیو بھجوا دیا تھا۔ شاید یہ اس کے پیاروں کے نام اس کا آخری خط ثابت ہو۔ شامیر کے جسم میں ایک بجلی سی کوندی اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہ کسی شیر کی مانند دشمنوں پہ لپکا تھا۔ دشمن پسپائی اختیار کرچکا تھا' پر اس کے باوجود اس کی مزاحمت جاری تھی۔ تب ہی اچانک وہ سرنگ ایک خوف ناک دھماکے سے گونج اٹھی۔

◉......◉......◉

آج کی صبح اسے بے انتہا خوش گوار لگ رہی تھی۔ سورج اور بادل کی آنکھ مچولی' نرم سی دھوپ' مارگلہ کی پہاڑیاں دور سے نظر آئیں اور ہر سو سرسبز پیڑ پودے' چڑیوں کے چہچہاٹیں پر یہ تو روز کا معمول تھا' پھر نیا کیا تھا کہ لیہہ کو صبح خوب صورت وخوش گوار لگ رہی تھی۔ وہ صبح صبح لان میں نرم نرم سبز گھاس پہ ننگے پاؤں ٹہل رہی تھی۔

چہرہ بالکل صاف اور سادہ جیسے ابھی ابھی شفاف ٹھنڈے پانی سے دھلا ہو۔ گھنی زلفیں چہرے کا احاطہ کیے خوشبوؤں سے مہکتی ہواؤں سے اٹھکیلیاں کررہی تھیں۔ ہاتھوں میں کچھ صفحے تھامے وہ چہرے کے آگے کیے ان صفحوں پہ کندہ لفظوں سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہی تھی۔ اس کا چہرہ کسی بھی طرح کے میک اپ سے پاک تھا۔ آنکھیں ابھی ابھی نیند کے خمار سے جاگی تھیں۔ سو ہلکی ہلکی سوجی سی تھیں مگر پھر بھی وہ حسین لگ رہی تھی۔

کچھ چہرے ایسے ہوتے ہیں جو محبت کی روشنی سے چمک اٹھتے ہیں۔ لیہہ کا حسن بھی کوئی معمولی حسن نہ تھا' یہ حسن محبت کا حسن تھا' ہجر کے بعد وصل کی کرن کی خوشی تھی۔ محبت کی چمک تھی' آج اس کے محبوب شوہر کا خط آیا تھا اس کے لکھے گئے لفظوں میں جھلکتے اظہار محبت کی کشش تھی اس کے چہرے پر۔

''کیسی ہو لیہہ' تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں' کہ تم کیسی ہوگی۔ اکثر اکیلے میں مجھے یاد کرکے آنسو بہاتی ہوگی' کبھی چاند سے بیٹھ کر میری شکایتیں کرتی ہوگی' سب کے سامنے خود کو بہادر پوز کرنے والی لیہہ تنہائی میں مجھے یاد کرکے روتی ہوگی... میں تمہیں جانتا ہوں لیہہ تم ایسا ہی کرتی ہوگی۔ اچھا اب آنسو صاف کرو اور میرا حال دل سنو......! چلو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہاں کیسے رہتا ہوں۔ لیہہ یہاں حالات بہت زیادہ خراب ہیں۔

دہشت گردوں نے ہمارے اپنے لوگوں کے برین واش کردیئے ہیں۔ مگر ہم انہیں جیتنے نہیں دیں گے۔ یہ ہمارے ہی لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔ ہم ان کی سازشوں کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے اور تمہیں بتاؤں تمہارا شوہر بہت بہادری سے لڑنے والا فوجی ہے۔ اپنی آخری سانس تک اپنے وطن کی حفاظت کرنے والا' دشمنوں کو جہنم واصل کرنے والا۔ ہونہوں! اب تمہاری آنکھوں سے آنسو چھلکنے والے ہوں گے' اچھا چلو نہیں کرتا ایسی باتیں۔ مگر لیہہ یاد رکھنا یہ بات کہ میں اور میری محبت صرف تمہارے' مگر میری جان میری زندگی صرف میرے ملک کی امانت ہے' اور میں امانت میں کھوٹ کبھی نہیں کرتا۔

اچھا سنو تم اس دن وصی شاہ کی غزل پڑھ رہی تھیں اور مجھ سے شکایت کررہی تھیں کہ میں تمہارے عشق میں شاعری نہیں کرتا۔ تو سنو جان! میں کیوں تمہارے ہاتھ کے ایک بے نام سے کنگن بننے کی خواہش کروں جبکہ تمہارا پورا وجود میرا اور میرا پورا وجود تمہارا' میں کیوں خواہش کروں کہ تم کسی سوچ میں ڈوبی ہو اور میں کنگن کے روپ میں تمہیں دیکھا کروں۔ تمہیں دیکھنے کے لیے مجھے کسی شے کے سہارے کی کیا ضرورت؟ جیسے ہی آنکھیں بند کرتا ہوں تم فوراً میرے سامنے آجاتی ہو۔ میں کیوں خواہش کروں کہ ایک بے نام سا بندھن ہوتا تمہارے لیے جبکہ تم سے میں جس بندھن میں بندھا ہوں وہ دنیا کا مقدس اور حسین ترین بندھن ہے۔ لیہہ جو میں ہوں وہ تم ہو میں تم سے یا تم مجھ سے الگ نہیں۔ پھر میں کیوں فقط تمہارا ایک کنگن بننے کی تمنا کروں جبکہ اللہ نے مجھے تمہارا سب کچھ بنا دیا تو میں کیوں نہ اس کا شکر ادا کروں۔ آج تھوڑی فرصت ملی تو تم سے کتنی باتیں کرڈالیں۔ ابھی بھی بہت سی ان کہی باتیں رہتی ہیں پر وہ میں جب تمہارے پاس آؤں گا تب کروں گا اور اگر نہ آسکا تو تب بھی کہہ دوں گا۔ اس کا انتظام بھی کرچکا ہوں میں۔ اب دیکھو اس بات پر رونا نہیں تم' کیپٹن شامیر کی بیوی ہو کبھی نہ ہمت ہارنا نہ خود کو ہارنے دینا۔ اچھا اب اجازت دو مجھے' اپنا بہت بہت خیال رکھنا۔

بہت محبت کے ساتھ تمہارا کیپٹن شامیر خان!"

اتنی دور بیٹھ کر اتنے مشکل حالات سے مقابلہ کرتے ہوئے بھی اس کا شوہر اسے اپنے ساتھ کا یقین دلا رہا تھا' اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔ کتنا عظیم تھا وہ' کتنی محبت کرنے والا تھا وہ' لیہہ کو یک دم شامیر کی بیوی ہونے پر فخر محسوس ہونے لگا۔ وہ خط دونوں ہاتھوں میں پکڑے شامیر کو تصور میں سوچتے مسکرانے لگی۔ شامیر کے تمام خطوط اس نے بہت پیار سے سنبھال کر الماری میں رکھے تھے۔ یہ تمام خطوط اس کی زندگی کے انمول ترین سرمایہ بنتے جارہے تھے۔

"ہمیں فوراً پنڈی کے لیے نکلنا ہوگا' گھر میں ابھی کسی کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے نصرت۔" تیمور خان اپنی واسکٹ الماری سے نکالتے ہوئے نصرت جہاں سے مخاطب ہوئے' مگر اپنی بات کے جواب میں خاموشی پا کر پلٹ کر نصرت جہاں کو دیکھنے لگے۔ وہ بنا کچھ جواب دیئے خاموشی سے صوفے پہ بیٹھی اپنے گود میں دھرے خالی ہاتھوں کو گھورتی اشک بہا رہی تھیں۔

"آپ یوں ہمت ہار جائیں گی تو مجھے کون سنبھالے گا۔" پہاڑوں جیسے مضبوط اعصاب کے مالک تیمور خان کا لہجہ بھیگا بھیگا تھا۔ دفعتاً اسی پل دروازے پہ دستک ہوئی' نصرت جہاں جلدی سے اپنے آنسو صاف کرنے لگیں۔ اجازت ملنے پر لیہہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں چائے کے ساتھ پکوڑے اور جلیبی بڑی ترتیب سے سجے ہوئے تھے۔ بھیگا بھیگا موسم تھا' بادلوں سے ڈھکا سورج بھی ڈھلنے کو بیتاب تھا۔ ایسے میں لیہہ کا دل چائے کے ساتھ پکوڑوں سے بھی لطف اندوز ہونے کو کررہا تھا۔ سو پکوڑے بنانے کے لیے کچن میں جاگھسی جبکہ گرما گرم جلیبیاں بازار سے منگوالیں اور سب کچھ تیار کرکے تایا' تائی کے کمرے میں لے آئی۔ لیکن نہ جانے کیوں

اسے تایا ابو اور تائی امی کچھ خاموش خاموش سے لگے۔ وہ اس خاموشی اداسی کو شامیر کی یاد سے تعبیر کرتی ان کے پاس بیٹھی ان کا دل بہلاتی رہی۔

''جب سے شامیر کا خط ملا ہے' تب سے لیہہ بے حد خوش ہے۔'' اس کے کمرے سے جاتے ہی نصرت جہاں نم آنکھوں سے تیمور خان کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ تیمور خان کچھ پل خاموشی سے بیٹھے رہے پھر آہستگی سے نصرت جہاں سے کہنے لگے۔

''پنڈی سے ملنے والی خبر کے متعلق ابھی گھر میں کسی کو بھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ ہمت کریں اور پنڈی چلنے کی تیاری کریں۔'' اتنا کہہ کر وہ وہاں سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ نصرت جہاں ان کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اپنے نڈھال وجود کو سنبھالتی اٹھیں اور الماری سے چادر نکال کر اوڑھنے لگیں۔

پنڈی میں تائی امی کی پھوپو کا گھر تھا۔ تیمور خان اور نصرت جہاں کچھ دن کے لیے پنڈی پھوپو کے گھر گئے ہوئے تھے۔ تیمور خان نے لیہہ اور فروا کے گھر میں اکیلے ہونے کے خیال سے ظہور خان سے کہہ کر لیہہ کے بھائی سمیر کو گھر پہ بلوا لیا تھا۔ سمیر کے آجانے سے فروا اور لیہہ بھی مطمئن تھیں۔ رات کا کھانا کھا کر جب فروا اور سمیر سونے کے لیے چلے گئے تو وہ اپنے کمرے سے منسلک ٹیرس پر بیٹھی' کچھ روز قبل آئے اس خط کو روزمرہ کی روٹین کی طرح پڑھنے بیٹھ گئی۔ پڑھتے پڑھتے جانے کتنی بار اس کی آنکھیں بھیگیں اور لب مسکائے...... یہ خط نہیں تھا شامیر کی محبت تھی۔ اس کے جذبات تھے' اس کی فکر اس کے ہونے کا احساس تھا۔ اسے یوں لگتا کہ وہ خط نہیں پڑھ رہی جیسے شامیر کو بیٹھی سن رہی ہو۔ وہ اس کے پاس بیٹھا اپنے ان خوب صورت الفاظوں سے اس کے کان میں رس گھول رہا ہو۔ وہ اب اپنی اکثر راتیں یوں ہی شامیر کو محسوس کرتی گزارتی تھی۔

◉......◉......◉

صبح روشن تھی' بے حد روشن' چڑیوں کی چہکار ہر سو گونج رہی تھی۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا نہ جانے کیوں ایک بے نام سی بے کلی دل میں موجود تھی۔ ایک بے چینی' اضطراب نے اس کے وجود کا احاطہ کر رکھا تھا اور یونہی بے کل سی وہ اپنے کمرے سے نکلی تھی کہ اسی پل دروازے پہ دستک ہوئی۔

''اس وقت کون آ گیا؟'' اس کا دل دھڑکا۔ گھڑی پہ نگاہ ڈالتے وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

دھیرے سے دروازہ کھول کر اس نے باہر جھانکا۔ وہاں پاک افواج کے دو جوان کھڑے دروازہ کھلنے کے منتظر تھے۔

''کیپٹن شامیر خان کا گھر یہی ہے محترمہ......'' اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتا پا کر انہوں نے فوراً سوال کیا۔

وہ دھڑکتے دل سے اثبات میں صرف سر ہلا سکی۔ اس کی چھٹی حس بار بار کسی انہونی کا احساس دلا رہی تھی۔ وہ دونوں جوان احتراماً نظریں جھکائے اس کے سامنے سے ہٹ گئے۔ اب جو منظر اس کے سامنے تھا۔ اس نے جیسے اس کے جسم سے روح تک کھینچ ڈالی تھی۔

وہ لکڑی کا ایک تابوت تھا جسے کچھ جوان اپنے کاندھوں پہ اٹھائے کھڑے تھے۔ کیا اب بھی کسی وضاحت کی ضرورت تھی؟ کیا اسے اب بھی بتایا جاتا کہ اس کا شامیر اپنے ساتھیوں کے کاندھے پہ سوار ہو کر گھر واپس آ گیا ہے۔ وہ ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔

فروا کب سے اس کے پاس بیٹھی اسے سمجھا رہی تھی مگر وہ بے تحاشہ روتی جا رہی تھی۔ تاریکی میں ڈوبی رات اب سحر کی جانب گامزن تھی۔ سمیر متفکر سا اپنی بہن کو دیکھتا رہا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''لیہہ وہ ایک خواب تھا جو تم نے دیکھا۔ شامیر بھائی بالکل ٹھیک ہیں پلیز اس طرح رونا بند کرو۔'' کتنی بار فروا اسے سمجھا چکی تھی' پر وہ اب تک اپنے اس پریشان کن خواب کے زیر اثر روئے جا رہی تھی۔

''میرا دل بہت مضطرب ہے' فروا مجھے ڈر لگ رہا ہے بہت۔ یوں لگ رہا ہے جیسے شامیر ٹھیک نہیں اور یہ

خواب...... اس خواب میں کیا اشارہ تھا میں تو سوچ کر ہی دہل گئی ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولی تو فروا بے بس سی اسے دیکھنے لگی۔ خود اس کا دل سہما جارہا تھا' شامیر اس کا اکلوتا بھائی تھا اور وہ اپنے بھائی سے بے حد محبت کرتی تھی۔ شامیر کی لاڈلی جو تھی۔ اور اب لیہہ کو یوں ماتم کناں دیکھ کر اس کا دل ہولا جارہا تھا۔

"لیہہ اگر دل کو مطمئن کرنا ہے تو اللہ سے کہو اس سے کہہ سن کر ہی دل مطمئن ہوسکتا ہے۔ وہی سکون دینے والا ہے' وہی صبر دینے والا ہے' چلو اٹھو' تہجد پڑھتے ہیں اور شامیر بھائی کے لیے دعا کرتے ہیں۔" فروا بہت حوصلے سے کام لے رہی تھی اور اسے بھی حوصلہ رکھنے کی تلقین کررہی تھی۔ لیہہ اس کے کہنے پر اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سمیر ان کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"آپ لوگ کہاں جارہے ہیں۔" ان دونوں کو اٹھتا دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگا۔

"نماز پڑھنے...... تم کہاں تھے؟" فروا نے جواب دے کر اس سے پوچھا۔

"میں تایا ابو سے کال پر بات کررہا تھا۔ کل شام تک وہ اور تائی امی بھی واپس آجائیں گے۔" سمیر کی اس اطلاع پر ان دونوں کے چہرے پر کچھ سکون پھیلا۔ سمیر ان دونوں کو پرسکون دیکھ کر کچھ حد تک مطمئن ہوگیا۔ وہ نماز لیہہ نے آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ ادا کی۔ اس کا رواں رواں اس پل شامیر کے لیے رب کے حضور دعا بنا ہوا تھا۔

......

سمیر کی کال نے انہیں اندر سے بے چین کردیا تھا۔ لیہہ کی حالت سن کر وہ بے حد پریشان ہوگئے تھے۔ وہ اس وقت ضبط کے کس کڑے مراحل سے گزر رہے تھے یہ کسی سے نہ کہہ سکتے تھے۔

"کس کا فون تھا؟" تسبیح کے دانے پڑھتی نصرت جہاں ان کے عقب میں کھڑی پوچھ رہی تھیں۔ آدھی رات گزر چکی تھی۔ پر وہ اب تک نہیں سوئی تھیں۔

''گھر سے سمیر کی کال تھی۔'' انہوں نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''اس وقت...... خیریت تو ہے ناں گھر پر سب۔'' نصرت جہاں کو گھبراہٹ ہوئی ابھی شام میں ہی بہو بیٹی دونوں سے بات ہوئی تھی۔ دونوں ہی خیریت سے تھیں پھر اچانک آدھی رات کو گھر سے فون آنے کا سن کر ان کا گھبرانا فطری تھا۔

''لبیبہ نے اچھا خواب نہیں دیکھا شامیر کے لیے وہ بہت گھبرا گئی ہے اور خود کو رو رو کر ہلکان کیے جا رہی ہے۔'' تیمور خان کا لہجہ بہت ہی تھکا ہوا سا تھا۔

''دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ایسا کیسے ممکن ہے کہ اس کا شوہر زندگی و موت کی جنگ لڑ رہا ہو اور اس کے دل کو کچھ خبر نہ ہو۔'' نصرت یہ کہتی ہوئی قریبی بینچ پہ بیٹھ گئیں اور نگاہیں سامنے انتہائی نگہداشت یونٹ کے دروازے پر جمادیں۔ جہاں ڈاکٹروں کے آنے جانے کا سلسلہ اچانک تیز ہو گیا تھا۔ وہ پچھلے چار دنوں سے پنڈی کے اس ہسپتال میں شامیر کے لیے دعا گو تھے۔ اس دن صبح ہیڈ کوارٹر سے شامیر کے شدید زخمی ہونے کی اطلاع آئی تھی۔ اطلاع ملتے ہی وہ دونوں یہاں پہنچ گئے تھے۔ گھر میں انہوں نے تیمور خان کی ہدایت کے مطابق کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔ نہ بتانے کی سب سے اہم وجہ لبیبہ خود تھی۔ اگر اسے پتا چل جاتا تو یقیناً وہ خود پر قابو نہ رکھ پاتی اور اس نازک صورت حال میں انہیں شامیر کے ساتھ ساتھ لبیبہ کو بھی سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ اس لیے ان کی کوشش تھی کہ جس حد تک ممکن ہو چھپایا جائے اس لیے تیمور خان نے اپنے بھائی کو بتانے سے بھی احتراز کیا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے میرے بیٹے کی ڈاکٹر صاحب؟'' تیمور خان انتہائی نگہداشت کے وارڈ سے نکلتے ڈاکٹر سے پوچھنے لگے۔

''کچھ کہنا ابھی قبل از وقت ہوگا۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں آپ کے بیٹے کی جان بچانے کی۔ باقی جو اللہ کی مرضی...... آپ لوگ بس دعا کریں۔'' ڈاکٹر نے انہیں دونوں شانوں سے تھام کر تسلی دیتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''میرا بیٹا بہت بہادر ہے ڈاکٹر صاحب' آپ دیکھ لیجیے گا' وہ یہ جنگ بھی جیت جائے گا۔'' ان کی مسکراہٹ میں الگ ہی چمک تھی۔ ڈاکٹر کاسران کی تعظیم میں خود ہی جھک گیا۔ یہ بات تو وہ بھی جانتا تھا کہ اندر وارڈ میں نلکیوں میں جکڑا وہ شخص کس بہادری سے لڑ کر یہاں پہنچا تھا۔ آج صبح بریگیڈیئر صاحب اپنے زخمی نوجوانوں کی عیادت کو آئے تھے اور انہوں نے خود تیمور خان کو شامیر کی بہادری کے قصے سنائے تھے۔ اس سرنگ میں وہ دھماکہ پاک افواج کے انتہائی قریب پہنچ جانے پر دہشت گردوں کے سرغنہ نے کیا تھا۔ شاید اس بزدل کو شیر جوانوں سے بچنے کا یہی ایک طریقہ سمجھ آیا تھا' اس دھماکے سے وہ خود تو جہنم واصل ہو گیا مگر پاک افواج کے جوانوں کو بھی بری طرح سے زخمی کر گیا تھا۔ لیفٹیننٹ جہانزیب اس دھماکے میں جانبر نہ ہو سکے تھے اور شہادت کا عظیم رتبہ پا کر قوم کی حیات بن گئے تھے۔ کل صبح ہی ان کے گھر والے ان کی میت ہسپتال سے لے گئے تھے۔ نصرت جہاں کی نظروں میں کل کا وہ منظر گھوم گیا جب بے حد ضعیف ماں نے اپنے شہید جوان خوبرو بیٹے کا چہرہ جھلملاتی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے جھریوں زدہ ہاتھ کو اس کے پرسکون چہرے پہ پھیرتے ہوئے کہا۔

''چل پتر گھر چل' تیری مٹی تیرا انتظار کر رہی ہے۔'' کیسا صبر تھا ان کے لہجے میں' کیسا حوصلہ تھا ان کے انداز میں اور یہی انداز نصرت جہاں کو حوصلہ سکھا گیا تھا۔

''کیا کہتے ہیں ڈاکٹر۔'' وہ تیمور خان کو اپنی جانب آتا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''یہی کہ بس دعا کرو...... باقی اللہ کی رضا۔'' تیمور خان نے ان کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔ وہ سر کو خفیف سا ہلاتے ہوئے واپس بیٹھ کر تسبیح پڑھنے لگیں۔ تسبیح کے دانے گرتے ہوئے وہ شدت سے فجر کی اذان کی منتظر تھیں۔

اس کی آنکھ فجر کی اذان پر کھلی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ سجدے میں دعا مانگتے مانگتے سوگئی تھی۔ یقیناً اس کی دعا کی قبولیت کا احساس تھا جس نے اسے نیند کی وادی میں جا دھکیلا تھا۔ رات بھر کی بے قراری اب قدرے کم تھی۔ دل میں بے چینی کی جگہ سکون نے لے لی تھی۔ اضطراب کی جگہ یہ احساس غالب آگیا تھا کہ اس کی دعائیں سن لی گئی ہیں۔ وہ نماز کی ادائیگی کے بعد ایک بار پھر سے پورے خلوص کے ساتھ شامیر کے لیے دعائیں مانگنے لگی تھی۔

شام تک تایا ابو اور تائی امی واپس آگئے تھے۔ ان کے آنے سے لیبہ اور فروا بے حد خوش تھیں۔ اتنے دنوں سے ان دونوں کی عدم موجودگی نے بھی انہیں تنہائی کا شکار بنا ڈالا تھا۔ تایا ابو تائی امی کو گھر پہ چھوڑ کر واپس کسی ضروری کام سے پنڈی چلے گئے تھے۔ تائی امی جب سے آئی تھیں زیادہ تر مصلے پہ بیٹھی نماز اور دعائیں مانگنے میں مصروف رہتیں۔ وہ عبادت گزار خاتون تھیں۔ اس لیے ان کی بے انتہا عبادتوں نے فروا اور لیبہ کو اچنبھے میں نہ ڈالا۔ پر کبھی کبھی لیبہ کو شدت سے کچھ گڑبڑ ہونے کا احساس ہوتا ایسا خاص طور پر تب ہوتا جب تائی امی بڑی گریہ وزاری کے ساتھ شامیر کے لیے دعائیں مانگ رہی ہوتیں۔ تب لیبہ کا دل کسی انجانے خوف سے سہم جاتا۔

تایا جان کی واپسی اگلے چار دنوں میں ہوئی تھی اور آتے ہی انہوں نے شامیر اور لیبہ کی پہلی شادی کی سال گرہ کے لیے ایک چھوٹی سی تقریب منعقد کرانے کا اعلان کر دیا تھا۔ ان کے اس اعلان نے سب کو ہی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

"خان صاحب شامیر کی غیر موجودگی میں کیسی شادی کی سال گرہ۔" تائی امی کو سخت اعتراض ہوا تھا۔

"بھئی شامیر نہیں ہے تو کیا ہوا' لیبہ تو یہاں موجود ہے ناں' اس بچی کے بھی تو کچھ ارمان ہوں گے۔ ہمیں اس کی خوشیوں کو نہیں بھولنا چاہیے۔" تیمور خان نرم سی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے لیبہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولے تو لیبہ کو سخت شرمندگی نے آ گھیرا۔

"نہیں تایا ابو میری خوشی تو شامیر کے ساتھ ہونے پر منحصر ہے۔ اس شادی کی سال گرہ کا کیا فائدہ بھلا جب شامیر یہاں موجود ہی نہیں۔" لیبہ کا دل ہرگز اس تقریب کے لیے راضی نہ تھا وہ تو اپنی شادی کی سال گرہ بھی بھولے بیٹھی تھی۔

"بس میں مزید کوئی اعتراض نہیں سنوں گا۔ میں نے کہہ دیا کہ یہ سال گرہ ہوگی تو اس کا مطلب ہے ہوگی۔ بھلے شامیر یہاں موجود ہو یا نہیں۔" تیمور خان قطعی انداز میں کہتے اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نصرت جہاں انہیں شکوہ کناں نظروں سے دیکھنے لگیں اور وہ ان سے نظریں چراتے وہاں سے چلے گئے۔

"ابو جان کو کیا ہوگیا ہے آخر؟" فروا نے تیمور خان کے اس رویے پر حیرانگی سے کہا۔ اس کے سوال پر سب خاموش تھے۔ اگلے تین دن بعد تقریب تھی اور گھر میں خاموشی کا دور دورہ تھا۔ تیمور خان نے سمیر کو ایک بار پھر گھر پہ بلا لیا تھا' اس کے آنے سے گھر میں کچھ رونقیں بحال ہوئی تھیں البتہ تائی امی بالکل خاموش تھیں اور ان کی خاموشی گھر میں سب ہی محسوس کر رہے تھے۔

"میرا بیٹا ہسپتال میں موت سے لڑ رہا ہے اور آپ گھر میں جشن منا رہے ہیں۔" نصرت جہاں سے آخر صبر نہ ہوا اور تیمور خان کے سامنے چیخ ہی پڑیں۔

"میرا بیٹا ابھی زندہ ہے نصرت' اس کی غیر موجودگی میں اس سے وابستہ خوشیاں منانا میرا فرض ہے۔ آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں اس بات کو۔" وہ بے بسی سے بولے۔

"اسے آجانے دیں پھر مناتے رہیے گا خوشیاں۔" نصرت بیگم منہ موڑ کر بولیں۔

"میں سارے انتظامات مکمل کر چکا ہوں۔ اب یہ تقریب نہیں رک سکتی۔" وہ قطعیت سے کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ نصرت جہاں انہیں جاتا

دیکھتی رہ گئیں۔

آج صبح سے اس پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ تائی امی کا اداس چہرہ اس کے دل کو مزید اداس کر رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ تایا ابو اس تقریب کو لے کر اتنی ضد کیوں کر رہے ہیں۔ آج صبح سے وہ شامیر کی کال کا انتظار کر رہی تھی۔ پر نہ ہی کوئی کال آئی نہ ہی کوئی قاصد آیا۔

سمیر تیمور خان کی ہدایت پر لاؤنج کی آرائش وزیبائش میں مصروف تھا۔ تیمور خان آج بے حد مصروف تھے۔ تقریب چھوٹی سی تھی مگر اس کی ساری ذمہ داری تیمور خان نے ہی اٹھا رکھی تھی۔ کھانا باہر سے پکوایا گیا تھا۔ لاؤنج کو سمیر نے سرخ وسفید ربنز سے سجایا تھا۔ لیبہ گرل پہ کہنی ٹکائے یہ ساری آرائش وزیبائش دیکھ رہی تھی۔ بظاہر سب کچھ بے حد اچھا لگ رہا تھا مگر......دل......دل بے حد اداس تھا۔

”اف لیبہ تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔ کم از کم اپنے کپڑوں کا تو انتخاب کر لو۔ بالآخر آج کی تقریب تم سے ہی منسوب ہے۔“ فروا نجانے کب اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے پتا نہ چلا۔

”اور میں جس سے منسوب ہوں وہ خود تو غائب ہے فروا۔“ وہ نظریں جھکائے انگلیاں مروڑتی اداسی سے بولی۔ فروا بھی کچھ دیر کے لیے چپ سی ہو گئی۔ بھائی تو آج اسے بھی بے حد یاد آ رہا تھا مگر پھر خود کو سنبھال کر بولی۔

”بھائی بھی آ جائیں گے۔ کیا بھائی خط اس لیے لکھتے ہیں کہ ہم یوں کمزور پڑ جائیں۔“ وہ اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ لیبہ دانتوں تلے لب کچلتے اسے بے بسی سے دیکھنے لگی۔

”چلیں پھر میرے ساتھ کمرے میں اور اپنا لباس منتخب کریں۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامتی مسکراتی ہوئی اسے اس کے کمرے میں لے آئی اور الماری سے ایک ساڑی نکال کر اسے دکھانے لگی۔

”اس ساڑی کے بارے میں کیا خیال ہے۔“ خیالوں میں کھوئی کھڑکی کے پار مناظر کو دیکھتی لیبہ نے چونک کر دیکھا۔ وہ سرخ وسیاہ کے خوب صورت امتزاج والی ساڑی شادی کے اوائل دنوں میں شامیر نے اس کے لیے خریدی تھی۔ جسے اس نے بڑے چاؤ سے تیار کروایا تھا پر پہننے کا موقع اب تک نہ مل سکا تھا اور آج فروا اسے یہ ساڑی پہننے کے لیے کہہ رہی تھی۔ وہ اس کے خلوص کو دیکھتے انکار نہ کر سکی اور اثبات میں سر ہلا گئی۔

شام ہونے سے قبل ہی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ ظہور خان بھی کچھ دیر قبل آن پہنچے تھے۔ تیمور خان نے نصرت جہاں کی اکلوتی بہن کو مدعو کر رکھا تھا۔ شام ہونے تک سارے مہمان جمع ہو چکے تھے۔ فروا نے لیبہ کو بہت دل جمعی سے تیار کیا تھا۔ سرخ وسفید ساڑی میں اس کا سراپا قیامت ڈھا رہا تھا۔ سلیقے سے کیے گئے میک اپ اور چہرے کی اداسی نے الگ ہی روپ سے اسے نوازا تھا۔ فروا اپنی سینڈل پہننے اپنے کمرے میں گئی تھی۔ وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی اپنی تیاری کا جائزہ لے رہی تھی تب ہی دروازے پہ ہوتی دستک نے اسے چونکا دیا۔ اسے حیرت ہوئی کہ فروا کو دستک دینے کی کیا ضرورت' پھر خیال گزرا کہ کہیں تیمور خان نہ ہوں تو وہ جلدی سے دروازہ کھولنے آگے بڑھی۔ دروازہ کھولنے پر سامنے کوئی نہ تھا' البتہ دروازے کی چوکھٹ پر ایک بکے کارڈ کے ہمراہ رکھا تھا۔ وہ جھک کر اسے اٹھانے لگی۔ کارڈ شامیر کی طرف سے تھا اور بہت خوب صورت الفاظ میں اسے شادی کو ایک سال مکمل ہونے پر مبارک باد دی گئی تھی۔ اس پر شادی مرگ جیسی کیفیت آ ٹھہری' اس کارڈ کو آنکھوں سے لگاتی' لبوں سے چومتی' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے وہ پھول اٹھا کر محبت سے دیکھنے لگی۔ بکے میں موجود پھول اس کی پسند کے تھے۔ سرخ وسفید گلابوں اور موتیے کی کلیوں سے آراستہ بکے اب اپنی خوش بو اس کے اندر اتار رہے تھے۔ ان تحفوں سے دھیان

ہٹا تو اسے یہاں رکھنے والے کا خیال آیا۔ نظریں ادھر ادھر دوڑائیں پر کوئی نظر نہ آیا۔

●......●......●

تیمور خان اور نصرت جہاں مہمانوں سے ملنے میں مصروف تھے جب ہی سمیر، تیمور خان کو سیڑھیوں سے اترتا دکھائی دیا۔ انہوں نے ابرو کے اشارے سے اس سے کچھ پوچھا جس کا جواب سمیر نے خفیف سا سر ہلا کر دیا۔ وہ مطمئن سے ہو کر اپنے ہم زلف سے ملنے لگے۔ تب ہی لیہہ، فروا کے ہمراہ سیڑھیوں سے سج سج اترتی چلی آئی۔ اس نے ہاتھوں میں خوب صورت پھولوں سے مزین بکے پکڑا تھا۔ محفل میں موجود تمام نفوس اسی کی جانب متوجہ تھے۔ لیہہ نے اتر کر سب سے پہلے نصرت جہاں کو سلام کیا۔ نصرت جہاں نے اسے گلے لگا لیا اور ماتھا چومتے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔ ان کے استفسار پر لیہہ نے بتایا کہ یہ بکے اور کارڈ شامیر نے بھیجا ہے۔ یہ جواب سن کر نصرت جہاں حیرت زدہ رہ گئیں۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے تیمور خان کی جانب دیکھا تو وہ ان سے نظریں چرا گئے۔ نصرت جہاں الجھ کر رہ گئیں۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ تیمور خان آخر یہ کون سا کھیل کھیل رہے ہیں سب کے ساتھ......! سب کے اصرار پر لیہہ کیک کاٹنے میز کی وسط پہ جا کھڑی ہوئی خوب صورت سے کیک کے اوپر عدد ایک کا نشان بنی بڑی سی موم بتی روشن تھی۔ لیہہ کے دائیں جانب تیمور خان اور نصرت جہاں تھے جبکہ دوسری جانب ظہور خان اپنی اہلیہ کے ہمراہ کھڑے تھے۔ فروا کیمرہ ہاتھ میں لیے مووی بنا رہی تھی۔ سمیر البتہ اس تمام منظر سے غائب تھا۔ اس سے قبل کہ لیہہ موم بتی گل کرتی اچانک بجلی چلی گئی۔ صرف کیک پہ موجود موم بتی روشن تھی مگر اس کی روشنی تمام منظر کو روشن کرنے کے لیے ناکافی تھی۔

"اوہ یہ بجلی بھی ابھی جانی تھی۔" کسی نے جھنجلا کر کہا۔

"کیا کوئی انتظام نہیں کیا گیا جنریٹر وغیرہ کا۔" لوگ بجلی کے یوں چلے جانے پر سخت بدمزہ ہوئے تھے مگر لیہہ بالکل خاموش تھی یوں کہ جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ کسی نے بہت دھیرے سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا، مگر کس نے...... لیہہ جانتی تھی تبھی تو ساکت سی کھڑی تھی۔ یہ لمس وہ بھلا بھول بھی کیسے سکتی تھی۔ بجلی جیسے اچانک گئی تھی ویسے ہی واپس بھی آ گئی تھی۔ پر وہاں موجود افراد اب سامنے کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔ کیک کاٹتی لیہہ اب اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ اس کا شامیر بھی کھڑا تھا۔ لیہہ نے روشنی میں شامیر کو دیکھا اور اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس کا حلیہ بتا رہا تھا کہ وہ ٹھیک نہیں تھا، اس کے ماتھے پہ اب تک پٹی بندھی ہوئی تھی اور چہرے پہ نقاہت طاری تھی۔

نصرت جہاں اسے صحیح سلامت سامنے پا کر فرط جذبات میں اس کے چوڑے سینے سے جا لگیں۔ شامیر انہیں سینے سے لگائے ان کے ماتھے کو چومنے لگا۔ وہ اس کی وہ جنت تھیں جو ہر پل اس کے لیے مجسم دعا بنی رہیں۔ نصرت جہاں روتے ہوئے اس کے شدید زخمی ہونے سے لے کر زندگی و موت سے جنگ تک کی داستان سنا چکی تھیں اور لیہہ یہ سب سن کر اشک برساتی نگاہوں سے شامیر کو اپنے اندر کہیں مقید کیے جا رہی تھی۔ اسے یہ خوف کہ کوئی اسے شامیر سے دور نہ کر دے۔ وہ نظروں سے اسے اپنے وجود میں اتار رہی تھی۔ محفل میں موجود تمام افراد اس جذباتی منظر کو دیکھ کر اشک بار تھے۔

جس دن نصرت جہاں پنڈی سے اسلام آباد آئی تھیں اس کے اگلے روز ہی شامیر کو ہوش آ گیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کی حالت بتدریج بہتر ہوتی چلی گئی۔ اس تقریب کا انعقاد تیمور خان نے اس کی فرمائش پر ہی کیا تھا۔ شامیر کو نصرت کے پھوپی زاد بھائی کے حوالے کر کے وہ خاص اس تقریب کا انتظام کرنے پنڈی سے اسلام آباد آئے تھے۔ قصہ مختصر اس تقریب کا خیال اور اچانک یوں سب کے سامنے منظر عام پر آنا یہ سب شامیر کی خواہش تھی۔ اس تمام منصوبے سے تیمور خان کے علاوہ سمیر بھی آگاہ تھا۔ اسی نے کچھ دیر قبل

شامیر کے دیئے گئے کارڈ اور بکے لیہہ کے دروازے پہ رکھا تھا۔ نصرت جہاں نے خفگی سے گھورتے ہوئے تیمور خان کو دیکھا۔

''آپ مجھے پہلے نہیں بتا سکتے تھے کم از کم میرے دل کو تو سکون مل جاتا۔''

''شامیر نے منع کیا تھا تمہیں بتانے سے کہ ماں کے چہرے پر اچانک خوشی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اب بیٹا آ گیا ہے تم خود اس سے نبٹو......'' تیمور خان نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا تو سب ہی ہنس دیئے جبکہ نصرت جہاں ممتا بھری نظروں سے شامیر کو دیکھنے لگیں۔

چھری کو لیہہ نے پکڑ رکھا تھا' جبکہ لیہہ کا نازک ہاتھ بمع چھری شامیر کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں تھے۔ دونوں نے مل کر موم بتی کی شمع گل کی اور کیک کاٹنے لگے۔

⊙......⊙......⊙

چاند کی چودھویں رات تھی۔ کھڑکی سے چمکتا چاند کب سے ان کے کمرے کی جھانکا تاکی کرنے میں مصروف تھا۔ لیہہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی اپنی چوڑیاں اتار رہی تھی۔ تب ہی شامیر اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔ شیشے میں اس کا عکس دیکھ کر وہ دل فریب انداز میں مسکرائی۔

''میری خواہش تھی کہ پہلی بار تم جب یہ ساڑی پہنو تو میں تمہارے سامنے ہوں۔'' اس کی نظریں پیغام محبت دے رہی تھیں۔ جبکہ لب اسے سراہ رہے تھے۔

لیہہ نظریں جھکا کر مسکرادی۔ شامیر نے اس کا نازک سا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''میں موت کے منہ سے لوٹا ہوں لیہہ...... صرف اپنوں کے لیے' اپنی ماں' باپ' بہن اور...... تمہارے لیے لیہہ...... کہ ایک نظر تم سب کو مسکراتا ہوا دیکھ لوں' پھر جب بلاوا آ جائے میں لبیک کہہ کر رب کے دربار میں حاضر ہونے کو تیار رہوں۔ میں تمہیں مسکراتا دیکھنے کی خواہش میں لوٹا ہوں لیہہ۔'' ان خوب صورت لمحات میں وہ کہہ بھی رہا تھا تو کیا......!

لیہہ نے ایک جھٹکے سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ کیا نہ تھا ان بھیگی بھیگی آنکھوں میں...... غم' غصہ' خفگی' ناراضگی اور پیار ہی پیار......!

''اچھا بابا نہیں کرتا ایسی باتیں...... اچھا میرے ساتھ آؤ۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے کھڑکی کے پاس لے آیا۔ چاند ان دونوں کو کھڑکی میں موجود پا کر بادل کی اوٹ میں جا چھپا اور اب آنکھ مچولی کرتا انہیں چھپ چھپ کر دیکھنے لگا۔

''میں وہاں چاند کو دیکھا کرتا تھا' خالی آسمان اور تنہا چاند...... اور تم یاد آتی تھیں' بہت زیادہ یاد آتی تھیں تم......'' وہ اس سے سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔

''چاند تنہا کہاں اس کی چاندنی کیا اس کے ہمراہ نہ ہوتی تھی۔ آپ میرے فلک کے چاند ہیں اور میں آپ کی چاندنی۔ آپ جہاں بھی رہیں میں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ آپ کی ہر قدم' ہم دم' ہم سفر بن کر۔'' وہ محبت کے جذبے سے سرشار اس کے کاندھے پر سر رکھ کر بولی۔

شامیر نے مسکرا کر اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ بادلوں کی اوٹ میں چھپا چاند بھی ان کی باتیں سن کر بادلوں کے عقب سے مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ لیہہ کو اس پل تمام کائنات مسکراتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس کے فلک کا چاند جو اس کے پاس تھا۔ اس کے ساتھ تھا...... اس کے بے حد قریب......!!